پیرعلی محمد راشدی کی صحافتی خدمات
اورجنگ اخبارمیں۱۹۶۲ء سے۱۹۶۸ء تک کے لکھے ہوئے
کالموں کامطالعہ

ABSTRACT

Pir Ali Muhammad Rashdi was an eminent Politician, litrery figure, writer, Journalist and a biographer, bonr in 15th August 1905 and died on 14th March 1987.

He wrote more than one thousand articals in several News Papers like, Jang, Wagan, Al-Rashid. Sindh Zamindar etc. and he produced more than tewnty books like Uhee denhin Uhee Shenih and Cheen Jee(Diary).

In this research I tried to do a critical review on his articales that were piblished in Daily Jang from 1964 to 1968, and they are selected. I seprated Those Articals in to three Catagories regarding his publication's titles.

This research covers all significance of writing materials of Pir Ali Muhammad Rashdi.

Keywords: اهي ڊ ينهن اهي , شينهن , وغيره وغيره , مشرق مغرب , **Journalist, Articale.**

تعارف

سید علی محمد شاہ راشدی ۱۲ جمادی الثانی ۵ اگست ۱۹۰۵ء کو بروز جمعہ کو پیدا ہوئے۔ ابھی تین سال کے ہوئے تو ان کے دادا نے انہیں اپنے دواخانے کے منتظم اور گاؤں کے ملاؤں کے پاس بھیج کر کہا کہ پہلے دن سے یوسف زلیخا پڑھانا شروع کریں۔ سندھی زبان تھی، اسکول میں اس کے لکھنے کو بے جا سمجھا جا رہا تھا، اس لیے ساری توجہ پارسی* پر دینا تھی، اسی لیے پیر صاحب نے فارسی سے تعلیم شروع کی، لیکن یہ تعلیم ٹھیک سے نہیں چل پائی، کیونکہ ان کے استاد میاں مٹھل پڑھانے میں زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ انہوں نے انگریزی تعلیم اپنے آبائی گوٹھ، ضلع لاڑکانہ اسٹیشن کے دو ہندو اسٹیشن ماسٹرز جیٹھانند اور نارائن سے حاصل کی۔* بمبئی کے کیمیکر اسٹریٹ پر پیر علی محمد راشدی اپنے دادا کے ساتھ ایک میمن کے پاس مقیم تھے*۔ اس گھر کے بالائی حصے میں ایک ریڈنگ روم بھی تھا۔ ایک روز شام کے وقت ریڈنگ روم میں کچھ آدمیوں کے ساتھ ایک سندھی نوجوان بھی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے بتایا کہ اس کا نام عمر دین ہے اور ٹلٹی ضلع دادو کا باسی ہے، ایم اے پاس کیا ہے اور جامعہ کی جانب سے اسے سونے کا تمغہ بھی ملا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے جیب سے سونے کا تمغہ نکال کر دکھایا اور بتایا کہ وہ میاں عبدالرحیم شاہ سجاول والے کے ساتھ یہاں اس ارادے سے آیا ہے کہ سفارش کروا کے بمبئی سرکار سے اسکالرشپ لیکر بیرون ملک سے ڈاکٹریٹ پاس کر کے آئے۔ سندھی دستور کے مطابق پیر صاحب سے حال دریافت کیا تو پیر صاحب نے بتایا کہ وہ فارسی پڑھ رہے ہیں، مسجد کے مولوی سبق دیتے ہیں۔ اسکول جانے کا سوال ہی نہیں ہے زمین بچی ہے، ملازمت نہیں کرنی جو اسکول کی تعلیم لوں۔ پیر صاحب کا یہ قصہ سن کر نوجوان تعجب میں پڑ گیا اور کہا کہ تم ذہین لڑکے ہو، تمہیں باقاعدگی کے ساتھ سندھی و انگریزی تعلیم اسکول میں جا کر لینی چاہیئے۔ وہ وقت آ رہا ہے جب علم کے بغیر دوسری کوئی بھی چیز کام نہیں آنی۔ **(راشدی، ۱۹۸۶)** ۱

پیر صاحب نے اپنے دادا کو بتایا کہ ایک غریب سندھی نوجوان اس محلے میں ٹھہرا ہوا ہے، اسے اسکالرشپ چاہیے آپ ان سے ملاقات کریں اور اسکالرشپ کے سلسلے میں اس کی مدد کریں۔ ان کے دادا کی علی محمد خان دہلوی مرحوم سے پرانی دوستی تھی جو اس وقت بمبئی سرکار میں وزیر تھا۔ دوسرے روز عمر الدین مرحوم کو پیر صاحب نے اپنے دادا سے ملوایا اور اپنے دادا سے یہ وعدہ لیا کہ اس کو کرنل براؤن کے کیمبرج اسکول میں انگریزی تعلیم کے لیے ضرور بھیجیں گے۔ سندھ واپس آنے کے بعد مرحوم عمر الدین، پیر صاحب کی تعلیم کی بابت بذریعہ خط و کتابت دریافت کرتا رہا اور جب پیر صاحب دیرادون جانے لگے تو وہاں کے پرنسپل کرنل براؤن کے نام تعارفی خط بھی بھیجا، حالانکہ کرنل براؤن سے ان کی کوئی بھی ذاتی واقفیت نہ تھی۔ دیرادون اسکول میں صرف ایک دن پیر صاحب نے تعلیم لی۔

پیر صاحب کا خاندانی پیشہ زمین داری تھا۔ وہ پیر بھی تھے اور وڈیرے بھی۔ ہر طرف وڈیرا راج تھا، دیہاتی زندگی میں ہر طرف جہالت، سستی و کاہلی، ظلم و ستم، چوری چکاری، تنازعات، بڑے وڈیرے اور جاگیردار عیش و عشرت اور فضول باتوں میں اپنا وقت ضائع کیا کرتے تھے۔ مرغے لڑاتے تھے، سور اور کتے کی لڑائی دیکھتے تھے، خود سے کمتر کے اوپر

ستم ڈھاتے تھے۔ پیر صاحب کا ایسے ماحول سے اور اس طرح کے لوگوں سے کوئی ذہنی وابستگی نہیں تھی۔ یہ ذہنی انقلاب لانے میں ان کی والدہ صاحبہ کا بڑا عمل دخل تھا۔ وہ ہر وقت انہیں سمجھاتی تھیں کہ زمانہ بدل رہا ہے، وڈیرے اور پیر کا راج اب نہیں چلنے والا۔ اگر علم حاصل کروگے، محنت کروگے تو اپنے پیروں پر کھڑے ہوسکو گے اور کچھ کرسکو گے ورنہ دھکے کھاتے رہوگے۔(ڈاکٹر عزیزالرحمٰن ،۱۹۸۸) ۲ص

پیر سید علی راشدی صاحب کے خاندانی پس منظر کی وجہ سے اور خود انکی اپنی خداداد تخلیقی صلاحیتوں کی وجہ سے انکی شخصیت میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو کسی سیاست دان اور جہاں دیدہ شخص میں ہوتی ہیں، وہ اپنے آپ میں ایک ادارہ تھے جو کئی محاذوں پر اپنی قلم کے ذریعے لڑ رہے تھے۔ چاہے وہ سیاسی میدان ہو، سماجی مسائل ہوں، نوجوانوں کی تعلیمی مشکلات ہوں یا پھر طالب علموں کو ماحول اور سیاسی پیچ وخم کے لحاظ سے تربیت دینا ہو۔ سیاسیات اور کانسٹی ٹیوشنل تھیوری کے طالب علموں کے حوالے سے انہوں نے اپنے مضامین میں بڑی خوبصورتی سے ان کی تربیت کے مراحل کو اجاگر کیا,وہ کہتے ہیں کہ ”**پولیٹیکل سائنس یا کانسٹی ٹیوشنل تھیوری اور پریکٹس کے طالب علم کو اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ دستور سازی کے میدان میں حضرتِ انسان نے کیا کیا جوہر دکھائے ہیں یا یہ دیکھنا کہ کسی خاص آئین یا نظامِ حکومت کے ماتحت ملکی کاروبار کس طرح چلتا ہے تو اس طالب علم کو مشرقِ بعید کی سیر کرنی چاہئے۔ اس کام کے لئے دنیا کا یہ حصہ ایک تجرباگاہ بن چکا ہے ہر قسم کے آئینی اور حکومتی نظام یہاں مروج ہیں**“۔(مکتوب مشرق بعید،۱۳ جون روزنامہ جنگ ۱۹۶۴ء) **۲۱،۳۳ص**

جس طرح سے انہوں نے اپنی تحریروں میں عالمی مسائل اور انکے حوالوں سے اپنے سیاسی رجحانات کا موازنہ کیا ہے وہ قابل تعریف ہیں” **مشرق بعید میں دو غیر معمولی واقعات رونما ہو چکے ہیں ان پر غور کرنے سے جمہوریت اور آمریت کے مابین افادیت یا نتائج کے اعتبار سے جو فرق ہے وہ با آسانی سمجھ آجاتا ہے**“۔(مکتوب مشرق بعید ۶ جون، روزنامہ جنگ ۱۹۶۴ء) **۲۰،۳۴ص**۔ اسی طرح انکی عالمی سیاست پر بھی گہری نظر رہتی،” **یک نہ شد دو شد اب گولڈ واٹر امریکی صدر بھی تشریف لے آئے ہیں، روس میں اضطراب ہے، مغرب بعید میں حشر برپا ہے، لندن ٹائمز تک چلا اٹھا ہے، تنہا مشرقِ بعید والے مطمئن ہیں**۔“(مکتوب مشرق بعید، یکم اگست روزنامہ جنگ ۱۹۶۴ء) **۲۲،۳۵ص**

جس وقت وہ اپنی تحریروں سے مسلمانوں کی بیداری کی جنگ لڑ رہے تھے اس وقت حکومت اور مخالفین کا اتنا اثر ورسوخ تھا کہ تھوڑی تنقید بھی برداشت کرنا اس وقت کا مزاج نا تھا، اس کے باوجود بھی انہوں نے بامعنی کڑی تنقید کی جس میں وہ کبھی کبھی حس مزاح کا رنگ بھی شامل کرتے۔ جیسے،” **ہانگ کانگ میں سردی شروع ہے، ایم مقامی چینی نے اخبار میں لکھا ہے کہ مقامی شوقینیوں کے لئے کتے کا گوشت استعمال کرنے کا موسم آ گیا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ کتے اتنے دنوں سے گوشت کھا کھا کر موٹے ہوگئے تھے اب ان کو بھی حساب دینا پڑے گا**“(مکتوب مشرق بعید، ۱۹ دسمبر، روزنامہ جنگ ۱۹۶۴ء) **۲۳،۳۶ص**۔ انہوں نے بے مثال میانہ روی کیساتھ اپنی کوششوں کو جاری رکھا، اور طویل عرصے تک بے شمار مشکلات کے باوجود ہار نہیں مانی اور اپنی حب الوطنی کے ساتھ انسانیت افروز کارنامے انجام دیتے رہے، جس طرح پہلے

بھی بتایا گیا ہے کہ انکا اپنا خاندانی پس منظ جا گیردارانہ تھا تو ڈرنا یا گھبرانا ان کے مزاج میں نہیں تھا۔

ان کی تحریروں کی ایک خاصیت یہ بھی تھی کہ وہ بلاوجہ تنقید یا تنقید برائے تنقید کے حامی نہیں تھے اور جب کوئی بھی سرکاری سطح پر اچھا کام ہوتا اسے سراہتے بھی تھے، "**لاء اینڈ آرڈر کے مضمون پر پچھلے ہفتہ چند معروضات پیش کر چکے ہیں، آج ہم چند باتیں عرض کررہے ہیں، اس وقت دو مسائل فوری طور پر طالب توجہ ہیں۔(۱) شہروں پر چوروں اور ڈاکوؤں کی یورش (۲) اندرون صوبہ شاہراہوں پر راہزنی کے واقعات (آئے دن لٹیرے ٹولیاں بنا کر لوٹ مار شروع کر دیتے۔" فرض کیجئے کہ پوزیشن یہ ہو کہ ہمارے صوبہ مغربی پاکستان میں لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے لائسنس پر رائفلیں لے لی ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں ایسی رائفلیں ہیں جو بغیر لائسنس کی ہیں تو پھر حکومت کو کوئی طریقہ نکالنا ہوگا جس سے ان لاکھوں خطرناک اسلحہ کے استعمال پر کنٹرول رکھا جاسکے۔ یہ معمولی بات نہیں ہے کہ اتنے لاکھ رائفل غیر فوجی آدمیوں کے پاس رہیں۔**(مشرق و مغرب، یکم جون، روزنامہ جنگ ۱۹۶۸ء) **۳۰**، ۳۷

اپنی صحافت کو عبادت کی طرح سمجھنے والے پیر راشدی صاحب اپنی ذاتی زندگی میں بھی اتنے ہی ایماندار اور قابل عزت سمجھے جاتے تھے۔سندھ کا یہ ادب، سیاستدان وصحافی مورخہ ۱۴مارچ ۱۹۸۷ءکو اس جہان فانی سے انتقال کر گئے۔ان کے جسد خاکی کو کراچی کے میوہ شاہ قبرستان میں دفنایا گیا۔

تحقیق کا دائرہ کار اور طریقہ کار:

اس تحقیق میں پیر علی محمد راشدی کی لکھی گئی کتابوں اور مختلف مضامین کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے جو ایک کیفیتی تحقیق (Qualitativeresearch) ہے۔اس تحقیق میں شامل کرنے کے لئے جن معطیات کا جائزہ لیا گیا ہے ان میں پیر علی محمد راشدی کی کتب، اخبارات (روزنامہ جنگ، واگن الراشد، سندھ زمیندار) میں ان کے مضامین، مقالہ جات، کالم اور دوسرے مضامین شامل کئے گئے ہیں۔اس تحقیق میں نمونہ بندی کے لئے حاصل شدہ اخبارات میں سے ۱۹۶۴ء سے لے کر ۱۹۶۸ء تک کے شائع شدہ کالموں اور مضامین کے ابتدائی اور اختتامی حصوں کے اقتباسات کو شامل کیا گیا ہے۔ اس تحقیق کی نمونہ بندی میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ، پیر محمد علی راشدی صاحب کی تمام تحاریر کے حوالوں کو شامل کیا جائے، خاص طور پر ان کے مقالوں کے نمونہ جات اور خاص خاص موجودہ اخبارات اور کتابوں کے ذریعے جو کہ کراچی کی مختلف لائبریریوں (**اسٹیٹ بنک لائبریری کراچی اور ہمدرد یونی ورسٹی لائبریری کراچی**) سے حاصل کی گئیں۔

مطعیات کا تجزیہ

پیرعلی محمد راشدی کی تصنیفی خدمات

پیرعلی محمد راشدی صاحب نے تاریخ، سیاست، صحافت اور معاشرے کی اصلاح کے لیے جو کتابیں لکھیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ سندھ جاسور (Suffering):

یہ کتاب سندھ کی بمبئ سے علیحدگی کی تحریک کی ایک تاریخی دستاویز ہے، جو تحریک کے نمایاں رہنما محمد ایوب کے نام سے شائع ہوا تھا (پیر صاحب ان کے سکریٹری تھے) البتہ اس کے سندھی ترجمے پر مترجم کے طور پر پیر صاحب کا نام درج ہے۔ یہ کتاب ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئی۔

۲۔حیات معصوم:

پیر صاحب کے سکھر میں قیام کے دنوں میں میر معصوم بکھری کی شخصیت کو سمجھنے کے سلسلے میں یہ کتاب لکھی گئ، جو ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی۔

۳۔فریادسندھ:

پیر صاحب کی یہ کتاب ''قربانی'' اخبار میں شائع کردہ مضامین کا مجموعہ ہے، جوانہوں نے آزادی سے قبل مسلم لیگ کی جانب سے نیا ملک بنانے والے مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے سندھ پر نازل ہونے والی آفات سے آگہی کے طور پر تحریر کیے تھے۔ اس وقت مسلم لیگ کے نام پر اس قدر خوف پھیلایا گیا تھا کہ جب یہ کتاب شائع ہوئی تو اس میں اس کے مصنف کا نام بھی نہیں لکھا ہوا تھا۔ کافی عرصے تک یہ بات صیغہ راز میں رہی۔ ۱۹۶۹ء کو سائیں جی۔ایم سید نے اپنی کتاب ''جب گزاریم جن سیں'' میں اس کا اظہار کیا کہ مشہور کتاب فریادسندھ پہلے مضامین کی شکل میں ''قربانی'' میں شائع ہوئی، بعدا سے کتابی صورت دیکر سندھ میں تقسیم کیا گیا۔

۴۔موجودہ سیاسی صورتحال:

پیر صاحب کی یہ کتاب بھی قربانی اخبار کی ضرورت اور اس وقت کی سیاسی ضرورت کی روشنی میں اخبار کے لیے لکھے گیے مضامین کا مجموعہ ہے، جس میں پیر صاحب نے مسلم، سیاسی، پاکستان اسکیم اور سندھ کے مستقبل کے حوالے سے دوراندیشی سے بھری پیشنگوئیاں کی ہیں۔ ۱۹۴۰ء کی قرارداد کے بعد میں کے ردعمل پر یہ کتاب ۱۹۴۶ء کو شائع ہوئی۔

۵۔سندھ جی اسلامی تحریک جوا گوان جی۔ایم سید:

یہ کتاب مسلم لیگ سے تصادم کے دور میں ۱۹۴۶ء کو پہلے مضامین کی صورت میں قربانی اخبار میں شائع ہوئی، جس کو بعد میں کتابی صورت میں لایا گیا۔ اس کتاب میں جی۔ایم سید کے نظریات و عملی جدوجہد کا اس دور میں آیندہ دور کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے۔

۶۔رونیوء کھاتے جی کارگزاری:

۱۹۵۳ء میں پیر صاحب نے محکمہ ریونیو اور ہیلتھ کی وزارت کے جو عوامی کام کیے، انہیں عوام کے سامنے لانے اور ریکارڈ پر رکھنے کے لیے یہ کتاب شائع کروائی۔

۷۔جاگیرداری جو خاتمو:

پیر صاحب نے اپنے دور وزارت میں سندھ میں جاگیرداری کے خاتمے کے لیے اہم فیصلے کروائے ۔ یہ کتاب اس عرصے میں شائع ہوئی اور جاگیرداری کے بارے میں معلومات مہیا کرتی ہے۔

۸۔اھی ڈینھن جلد پھریون:

پیر علی محمد صاحب نے اس کتاب میں خیر پور، سکھر، شکار، جیکب آباد اور لاڑکانہ کے مشاہیر کے بارے میں اور اس دور کی سماجی و سیاسی صورت حال پر اپنے خیالات کا اظہار نہایت عالمانہ انداز میں کیا ہے۔ اس کتاب کی دوسری تمام معلومات ایک طرف اور اس کی ابتداء میں ''سرداری زندگی کی تصویر'' کے زیرعنوان چالیس صفحات پر مشتمل اس دور کی سیاسی و سماجی حالات اور انسانی رویوں کا گہرائی سے کیا گیا مشاہدہ ہے۔ دوسری جانب ان کی کلاسیکل نوعیت کی یہ تفصیل ہی اس دور کی شخصیات کے کردار کو سمجھنے کے سلسلے میں بہتر رہنمائی کرتی ہے۔ ان کی یہ کتاب ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی۔

۹۔سوشلزم، اس کے محرکات و مضمرات:

۱۹۷۰ء کے انتخابات کے دوران جس طرح سوشلزم کی پرچار کی جارہی تھی، اس وقت پیر صاحب نے اس موضوع پر یہ کتاب تصنیف کی جس میں انہوں نے تاریخ کی روشنی میں سوشلزم کے نام پر جاری برائیوں کے بارے میں تحریر کیا۔

۱۰۔خط و مضمون:

۱۹۳۲ء سے ۱۹۵۸ء تک کے بھیجے گیے خطوط کا مجموعہ ہے، جس میں اس دور کی سیاسی تاریخ کے کئی اتار چڑھاؤ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ یہ مسودہ جی۔ایم سید نے مرتب کر کے عالمانہ پیش لفظ کے ساتھ ۱۹۷۰ء کو شائع کیا۔

۱۱۔سندھ پنجاب جي لاڳاپن جو جائزو:

پیر صاحب نے یہ کتاب ۱۹۷۵ء کو اس وقت تحریر، جب وہ وزیراعظم کے کے مشیر خاص تھے۔ انگریزی میں لکھی گئی یہ کتاب تحریک نظریہ پاکستان کی جانب سے شائع ہوئی، جس کا ۱۹۸۷ء میں صحافی ظہیر احمد نے اپنی کتاب '' سندھ میں قوم پرستی، نئے اور پرانے رجحانات'' اردو میں ترجمہ کیا۔ اس کتاب نے فریاد سندھ کے برعکس پنجاب کی طرف ہمدردانہ رویہ رکھتے ہوئے سندھ کی بمبئی سے علیحدگی کی تحریک سے پنجاب کی کچھ سیاسی شخصیات اور کچھ اخبارات کی جانب سے اختیار کیے گیے مثبت رویے کو بنیاد بنا کر پنجاب کی مدد کرنے اور احسانات کے گن گائے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ اس معاملے میں ون یونٹ کی سازش کی بھی شاندار وکالت کرتے ہوئے پنجاب کو بے قصور قرار دیا گیا ہے اور یہ ثابت کرنے

کی کوشش کی ہے کہ سندھ اسمبلی سے صرف چار وزراء مخالفت کررہے تھے۔

۱۲۔اهي ڏينهن اهي شينهن (حصہ دوم)

پیر صاحب نے اس حصے میں مشرق کے ملک، سندھ کی ماروی کے عنوان دادو جادواور ضلع کراچی سے وابستہ شخصیات کے بارے میں لکھا گیا ہے،لیکن قابل ذکر بات یہ ہے کہ سائیں جی ایم سید جن کا دونوں اضلاع کی سماجی، تعلیمی و سیاسی امور میں بڑا دخل تھا کونظر انداز کیا گیا ہے۔ یہاں یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ ''اهي ڏينهن اهي شينهن'' کی پہلی جلد لکھتے وقت پیر صاحب کے ذہن میں اس کتاب کوحصوں میں لکھنے کا تصور نہیں تھا،اس لیے کتاب کی پہلی اشاعت میں بھی اس طرف اشارہ نہیں کیا گیا،لیکن بعد میں جب پیر صاحب نے مزید لکھنا شروع کیا اور ۱۹۸۰ء میں کتاب کا دوسرا حصہ شائع ہوا تو ان کے ذہن میں یہ بات واضح ہو چکی تھی کہ کتاب ۳ حصوں میں شائع ہوگی، تا کہ اپنے دور کی تمام شخصیت کے بارے میں خیالات کا اظہار ہو سکے۔اس کے باوجود سائیں جی ایم سید سمیت کئ شخصیات کا اس حصے میں ذکر نہیں ہے۔

۱۳۔اهي ڏينهن اهي شينهن (حصہ سوم):

کتاب کے اس حصے کو کسی ضلع یا ڈویژن تک محدود نہیں رکھا گیا،لیکن یہ کہا جا سکتا ہے کہ پچھلے دوحصوں میں جن شخصیات کا تذکرہ رہ گیا تھا،ان کے بارے میں لکھا گیا ہے۔مزیدار بات یہ ہے کہ سائیں جی ایم سید کا ذکر پھر بھی نہ ہوا۔جیسا کہ سید کی شخصیت گویا ان کے سلسلے کے قابل ہی نہ تھی،لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔یہ بات راشدی صاحب کے لیے مشہور ہے کہ وہ واقعات میں رنگینی پیدا کرنے کے لیے مرچ مسالہ ملاتے تھے،اس لیے کسی بھی کردار کے بارے میں ان کی زندگی میں نہیں لکھا۔اس کتاب کے حوالے سے کئ مثالیں مشہور ہیں،لیکن سب سے بڑی مثال سائیں جی ایم سید کی شخصیت کی ہے، جو ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۵ء تک سندھ کی سیاسی، سماجی زندگی پر چھائے رہے،لیکن ۱۹۸۱ء میں مکمل کردہ اس کتاب میں ان کا جداگانہ ذکر نہیں ہے۔پیر صاحب اعلی درجے کے ذہین انسان تھے، باتیں بنانا تو کوئی ان سے سیکھے۔ کتاب کا دوسرا حصہ شائع ہوا، جس میں دادواور کراچی کے لیے مشاہیر تحریر ہیں، تب انہوں نے کہا تھا کہ سید صاحب اصل کام دادو نہیں بلکہ کراچی میں ہے اور کراچی میں قصہ ابھی مکمل نہیں ہوا، اس لیے آئندہ حصے میں سید صاحب کا تفصیلی احوال دیا جائے گا۔بالآخر دوسرا حصہ بھی شائع ہوا،لیکن وہ احوال شامل اشاعت نہیں تھا۔تب پیر صاحب سائیں جی ایم سید کے پاس ایک خصوصی اسکیم لے کر پہنچ گیے۔سید صاحب سے ان کے شائع شدہ کتابوں کی تقاضہ کرتے ہوے بولے آپکی شخصیت عالمی سطح کی ہے۔

۱۴۔روداد چمن:

پیر صاحب ۱۹۸۲ء میں روزنامہ جنگ میں ''پرانی اور بھولی ہوئی باتیں'' کے زیرعنوان سے کالم لکھتے تھے۔ مارچ ۱۹۸۶ء میں ان میں سے منتخب کالمز کا مجموعہ ''روداد چمن'' کے عنوان سے شائع ہوا، جوان کے الفاظ میں تصریحات و توضیحات تاریخ پاکستان کا بنیادی ماخذ ہے، جس میں انہوں نے اپنے تجربات کی روشنی میں پاکستان مین وقت بہ وقت

حقائق سے آ گاہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کتاب ملک کی جدید تاریخ کا گمشدہ بنیادی باب ہے۔

۱۵۔رندءِپنڈ:

پیرصاحب بنیادی طور پرسیاسی ورکر تھے،جنہوں نے شروع سے مضمون وکالم لکھ کراپنی سیاسی وسماجی خیالات کی پرچار کے لیےقلم کوہتھیار کےطور پراستعمال کیا۔ یہ کتاب بھی ان کےاسی طرح کے خیالات کا مجموعہ ہے،جس میں ان کے وہ تاریخی، ادبی، سیاسی وسماجی کالمزا کھٹے کیے گیے ہیں، جوانہوں نے ۱۹۶۸ء۱۹۶۹ء کے دور مین روزنامہ عبرت حیدرآباد میں مندرجہ بالاعنوان سے لکھے تھے۔

۱۶۔مولاناغلام رسول مہراور پاکستان اسکیم:

مولانا غلام رسول مہر اور راشدی برادران کے علمی تعلقات کا ہر قاری کو بخوبی علم ہے، لیکن اس بات کا کم لوگوں کواندازہ ہوگا کہ وہ دونوں آپس میں رفیق کار بھی رہے۔ بالخصوص سیاسی دستاویزات کی تیاری کے معاملے پر ان کا باہمی تعاون تھا۔ پیرعلی محمد راشدی کی مذکورہ کتاب ان کے اس تعاون کی نشاندہی کرتی ہے۔ پیرعلی محمد صاحب اور مولانا غلام رسول مہر کےتعلقات کی شروعات ۱۹۳۸ء سے ہوئی جب مولانا مہر ۱۹۳۸ء میں کراچی کانفرنس سے کچھ روزقبل حاجی عبداللہ ہارون کی دعوت پرکراچی آئے تھے، تاکہ اجلاس کے کام کاج اورقرارداد کے سلسلے میں مشورہ کیا جاسکے۔ پیرعلی محمد راشدی بھی اس وقت حاجی عبداللہ ہارون کے دست راست تھے۔کانفرنس کے بعد جلدہی علی محمد راشدی لاہور گیے ,تاکہ کراچی اجلاس کے دوران پاس کی گئ قراردادوں کی روشنی میں مل کر آل انڈیا سطح پر پرچار کیا جاسکے۔ دراصل ایسی کوششوں کے نتیجے میں ہی ۱۹۴۰ءکی قراردادلاہور پاس ہوسکی۔

۱۹۳۸ء کی کانفرنس کے وقت حاجی عبداللہ ہارون کی فرمایش پرمسلم لیگ کے نقطہ نظر سے ہندوستان میں مسلمانوں کےموقف کی پرچار کے لیےمولانامہرنے ایک کتاب کامختلف زبانوں میں ترجمہ کر کےشایع کروانے کا کام علی محمد راشدی کے حوالے کیا۔ یہ تھی پیرعلی محمد راشدی اور مولانا غلام رسول کی پہلی سیاسی وابستگی، جو بعد میں ۱۹۴۶ء تک برقرار رہی۔اس کے بعدعلمی امور سے یہ وابستگی تو آخروقت تک برقراررہی۔ تاریخ سندھ کلہوڑا دورحکومت کا دوضخیم حصوں میں مولانا سےلکھوانا راشدی برادران کے ذاتی تعلقات کا ہی نتیجہ تھا۔ان پرانے اپنائیت بھرے مراسم کی روشنی میں پیرعلی محمد شاہ نے مولانا سے اپنی واقفیت،تعلقات ودوستانہ مراسم کی یادوں کوقلمبند کیا۔ان موضوعات کے بارے میں تحریرکرتے ہوئےخودتحریک پاکستان کےحوالے سے کئ دوسری اہم باتوں کا بھی زکرکیا۔ یہ کتاب نظریاتی امورومعلومات کا ایک ایسا مجموعہ بن گئ جودلچسپ بھی تھی اورفکرانگیز ومعلوماتی بھی۔مولانا مرحوم کی زندگی،ان کی خصوصیت، ذہن،فکرو سیرت کے کچھ گوشے نمایاں ہوئے، جو راشدی مرحوم ہی کرسکتے تھے۔ دیگر کا جیسا کہ مولانا کے ساتھ ایسا تعلق ہی نہ تھا،اس لیےایسی تحریری کسی دوسرے کےبس کی بات نہ تھی۔اس بات کے مدنظرابو سلمان شاہجہاں پوری نے پیرعلی محمد راشدی کی ان مضامین کویکجا کر کے،موضوع وار بابوں میں تقسیم کر کے کتابی صورت میں مجلس یادگار مہر کراچی کی

جانب سے۱۹۹۲ءکوشائع کروایا۔

۱۷۔ون یونٹ کی کہانی:

پیرصاحب کے لیے مشہور ہے کہ ون یونٹ کے سلسلے میں ان کا بنیادی کردار تھا۔اس حوالے سے ان پر مختلف گروہوں کی جانب سے فرد جرم عائد ہوتی رہتی تھی۔شاید ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوے انہیں گزرے دور میں کالمز کی صورت میں ون یونٹ کے حق میں اپنائے گئے رویے کے بارے میں معلومات ملی تھی، جوآئندہ ادوار کے مورخین کے لیے ون یونٹ کی صحیح تاریخ لکھنے میں مددگار ثابت ہوگی۔ان کی یہ کتاب سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور نے ۱۹۹۳ءکوشائع کی۔

۱۸۔چین جی ڈایری:

پیر صاحب۱۹۶۲ء سے ۱۹۶۳ءتک دس ماہ کے لیے چین میں پاکستان کے سفیر تھے۔ان کی اس وقت کی ڈائری مذکورہ بالا نام سے ۱۹۹۵ءمیں انسٹیوٹ آف سندھ ھالا کی جانب سے شائع کی گئ۔

۱۹۔سکھر بکھر روھڑی تاریخی مطالعو:

یہ کتاب پیرصاحب کیاوائل کے ان تحقیقی مضامین پر مبنی ہے، جوانہوں نے سندھورسالے اورستارہ سندھ میں تحریر کیے تھے، جن کا موضوع سکھر بھکر کے مشاہر، مغلوں کے آثاراور سکھر میں جاری جنگیں ہیں۔اس بکھرے ہوے مسودے کوڈاکٹرنوازعلی شوق نے ترتیب دے کرسکھرہسٹریکل سوسائٹی کی جانب سے ۲۰۰۱ءشائع کروادیا۔

۲۰۔Sindhraysanddays:

اس کتاب میں پیرصاحب نے اپنی شکاری دنیا میں مختلف ادوار میں کیے گیے تجربات اور یادوں کوقلمبند کیا ہے۔جس میں سندھ سے زیادہ بلوچستان، دہلی، کشمیرمیں کیے گیے شکاروں اورشکاری کچہریوں کے بارے میں موادشامل ہے۔یہ کتاب آکسفورڈیونی ورسٹی پریس نے ۲۰۰۳ءمیں شائع کی۔

پیرمحمدراشدی کی اخباری نویسی میں خدمات

بیسویں صدی کے دوسری دہائ میں، ہمارے راشدی بھائیوں نے صحافت کا باقاعدہ آغاز کیا،''ان دنوں ایک اخبارشائع کرنا قانونی طرح سے آسان عمل تھا،کسی مجسٹریٹ کے سامنےصرف ایک وضاحت کرنی ہوتی تھی کہ میں فلاں اخبارنکالنا چاہتا ہوں۔مجسٹریٹ اس کی تصدیق کرتا تھااوراس کے مطابق پوسٹ آفس سے رعایت مل جاتی تھی، اجازت کا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا تھا، برطانوی پالیسی یہ تھی کہ جتناممکن ہولوگوں کوآزادی اورسہولت حاصل ہو۔ (راشدی، ص۔۸) ؔ۳

اس وقت صحافی حضرات صحافت کو مقدس پیشے کے طور پر اپناتے تھے ۔لوگ ان کی ایمانداری اور کردار کے بارے میں اتنے سنجیدہ ہوتے تھے، اگر انہیں اس بات کا شک ہو کہ فلاں اخبار نویس صرف پیسے کمانے کے لیے اخبار شائع کرتا ہے، اور عوامی فلاح کے نام پر کوئی چال چل رہا ہے تو اس کا اخبار خریدنا تو دور کی بات، لوگ موقع ملتے ہی اس کے ساتھ دو ہاتھ کرنے سے نہ گھبراتے تھے، یہ جائز سمجھا جاتا تھا کہ اخبار نویس ہنستے مسکراتے اپنی اخبار کو سرکاری آرگن کر کے حکومتی ترجمانی اور خوشامد کرتے رہیں لیکن بات سیدھی اور واضح ہو، منافقت نہ ہو۔ (ساگیو، ص۔۱۰)۴

اس طرح صحافت کے ماحول میں ہمارے راشدی صاحب نے بھی قدم رکھا ۔اخبار نویسی کی تربیت مولانا عبدالکریم چشتی سے حاصل کی اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، بہت تجربہ حاصل کیا۔ راشدی صاحب کے صحافتی خدمات کا جائزہ درج ذیل ہے:

الراشد:

پیر علی محمد راشدی نے ۱۹۲۴ء اپنے گاؤں بہمن سے الراشد نامی اخبار نکالا۔ اس اخبار میں عملاً کام پیر حسام الدین کا ہوتا تھا، علی محمد راشدی صرف ادارت دیکھتے تھے باقی جو بھی کام تھا وہ حسام الدین شاہ راشدی کیا کرتے تھے، یہ انکا پہلا تجربہ تھا اس وجہ سے زیادہ دیرپا ثابت نہ ہو سکا۔ اس میں راشدی صاحب کا کام خریداروں کی فہرست ترتیب دینا، ایڈریس کی سلپیں بنانا اور ڈاک ٹکٹ لگانا، بنڈل پوسٹ آفس لے جانا، آمدنی اور اخراجات کا حساب رکھنا، یہ سب کام ان کے ذمے تھے اور وہ بہت سلیقے سے یہ فرائض پورے کرتے تھے۔ (ساگیو، ص۔۸) ۵، یہ ماہوار رسالہ سب سے پہلے ''سندھ زمیندار پریس''، سکھر اور پھر ''الحنیف پریس''، سکھر سے شائع ہوتا تھا۔

جاگن:

سائیں جی ایم سید لکھتے ہیں کہ: ۱۹۲۶ء میں، یہ اخبار فواب خالقداد بھیو نے جاگن (شکارپور) سے شروع کیا پیر علی محمد راشدی اس اخبار کا نامہ نگار بن کے کام کیا کرتے تھے'' (جی ایم سید، جلد۲، ص۔۳۴۰) ۶ لیکن ڈاکٹر انور فگار نے اپنی ایک کتاب ''شکارپور کی صحافتی تاریخ'' میں اس اخبار کے بجائے، نواب صاحب کے پندرہ روزہ اخبار ''تنظیم'' کا ذکر کیا ہے۔ (ڈاکٹر انور فگار، ص۔۶۹۔۱۳۷) ۷

المنار:

راشدی صاحب نے عبدالرحیم کھرل اور حافظ عبدالحمید بھٹی (رشید بھٹی کے والد) کے ساتھ یہ ماہوار سالہ ۱۹۲۹ء میں سکھر سے جاری کیا، آگے چل کے اس میگزین کو ایک ہفتہ وار اخبار کی صورت میں شایع کیا گیا، اس میگزین کو حافظ حنیف بھٹی اپنی پرنٹنگ پریس شمسیہ کتب خانے سکھر سے شائع کرتے تھے، راشدی صاحب اس میگزین میں مدیر کے طور پر خدمات انجام دے رہے تھے اس میگزین میں ان کے اداریے شاندار ہوتے تھے۔ **(رشید بھٹی، ۱۹۸۳ء)** ۸
راشدی صاحب نے، اپنے افسانے اور ناول بھی اسی اخبار میں شائع کیے تھے، پھر کتابچوں کی صورت میں حفیظ عبدالحفیظ

بھٹی مرحوم نے اپنی پریس سے شائع کیے جن کی تفصیل آگے آئیگی۔

پیغام:

یہ ہفتے وار رسالہ مولانا عبدالکریم چشتی مرحوم نے شکار پور سے، ۱۷ اگست ۱۹۲۹ء میں جاری کیا (شکار پور جي صحافتي تاريخ ص ،۷۷)۹، راشدی صاحب بھی ۱۹۳۰ء میں اس رسالے کے نمائندہ مقرر ہوئے، یہ رسالہ چھ سال تک جاری رہنے کے بعد ۱۹۳۵ء میں بند ہوگیا۔(ساگیو)۱۰

سندھ زمیندار:

یہ اخبار شیخ محمد قادر اور دوسرے زمین داروں کی کوششوں کے ساتھ جاری ہوا، زمیندار اور عام مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کرتا رہا، اس اخبار کا پہلے ایڈیٹر ماسٹر عبدالوہاب تھے، اس کے بعد ماسٹر احمد علی علیگ آئے۔(**راشدی، ص۔۵۳**)۱۱۔ اس وقت یہ اخبار دیگر روایتی اخباروں کی طرح جاری تھا بعد میں جب یہ اخبار خان بہادر محمد ایوب کھوڑو کے انتظام میں آیا، تو اس نے اپنے سیکریٹری پیر محمد راشدی کو مئی ۱۹۲۹ء میں اس اخبار کا ایڈیٹر مقرر کیا، کھوڑو صاحب نے ۱۹۳۰ء میں پیر علی محمد راشدی کی دیگر مصروفیات کو دیکھتے ہوئے ان کے چھوٹے بھائی راشدی صاحب کو اس اخبار کا ایڈیٹر مقرر کیا، اس حوالے سے راشدی صاحب اپنی یاداشت میں لکھتے ہیں کہ: ''اس (کھوڑو صاحب) نے ایک بار سکھر جاتے ہوئے مجھے نصرت سٹیشن پر ملنے کے لئے کہا، جہاں میں ان سے ملا تو انہوں نے ڈاک لفافے کے کاغذ کے ٹکڑے پر مینیجر کی طرف لکھ کر دیا۔ حسام الدین کو تیس روپیہ ماہانہ تنخواہ کے ساتھ سندھ زمیندار کا ایڈیٹر مقرر کیا جائے''(راشدی، ص۔۹)۱۳

پیر علی محمد راشدی، سید حسام الدین راشدی اور خان بہادر کھوڑو صاحب کے زمانے میں اخبار سندھ زمیندار نے گلے سے حکومتی سرپرستی کا طوق نکال کر خالص قوم پرستی کا راستہ اختیار کرنا شروع کیا اور اخبار نے بہت شہرت پائی۔ پیر علی محمد راشدی ''راشدی'' صاحب کے دورے سے متعلق لکھتے ہیں:

''وہ اس قابل ہو چکا تھا کہ ایک اداریہ لکھ سکے۔ لکھائی میں تیزی ہوتی تھی اور لفاظی سے زیادہ دلائل پر زور تھا، اس نے مختصر وقت میں شہرت پائی اور مجھے تسلی ہوئی کہ میری مصروفیات اور عدم موجودگی کی وجہ سے اخبار کے معیار میں کوئی فرق نہیں آئے گا، میری توقع سچ ثابت ہوئی۔''(ساگیو، **ص۔۱۴**)۱۴

۱۹۳۴ء میں پیر علی محمد راشدی اور خان بہادر محمد ایوب صاحب کے درمیان میں کچھ سیاسی اختلافات ہوگئے جو دونوں کے راستے الگ ہونے کا باعث بنے۔ پیر صاحب نے سیکریٹری شپ کا استعفیٰ خان بہادر صاحب کو بھیجا تو راشدی صاحب نے بھی اپنے بھائی کی پیروی کرتے ہوئے اخبار کو الوداع کیا۔ اس کے بعد دونوں راشدی بھائی اپنے گاؤں بہن میں رہنے لگے اور سکھر چھوڑ دیا۔

ستارہ سندھ:

۱۹۳۴ء میں ہی دونوں راشدی برادران گاؤں چھوڑ کر ایک بار پھر سکھر گئے، انہوں نے نیا اخبار شروع کیا، اقتصادی وسائل کی کمی کے باوجود ''ستارہ سندھ'' کی ڈکلیئریشن لے کر، اخبار جاری کیا اخبار کے چیف ایڈیٹر پیر علی محمد راشدی بنے جبکہ راشدی صاحب نے ایڈیٹر کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔ راشدی صاحب کی ادارت کے متعلق ان کے بڑے بھائی پیر علی محمد راشدی نے کہا کہ:

حسام الدين ڪوشش ڪري پهرئين پرچي ۾ هر قسم جي موضوع تي تمام دلچسپ مواد ڪٺو ڪري ڏنو. ادب ۽ تاريخ کانسواءِ سياسي اهميت جون شيون به ڏنيون مرحوم ۾ ٿوري جذباتيت هئي ڪا ٿَس رهيو نه ٿيو ۽ هڪ ئي وقت ڪيترائي محاذ ڪولي وينو ۽ هر هڪ سان مقابلي ڪرڻ لاءِ سندرو ٻڌي بيٺو.''۔(ساگیو، ص۔۱۴)۱۴؎

''حسام الدین نے کوشش کر کے پہلی اشاعت میں ہر قسم کے موضوع پر تمام دلچسپ مواد مہیا کیا، ادب اور تاریخ کے علاوہ سیاسی اہمیت کی اشیاء بھی دیں، مرحوم میں کچھ جذباتیت تھی، ان سے رہا نہ گیا اور ایک ہی وقت میں کئی محاذ شروع کر دئے اور ہر ایک سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گیا۔'' (ساگیو، ص۔۱۴)۱۵؎

پیر علی محمد شاہ راشدی مزید لکھتے ہیں کہ:

''مرحوم (حسام الدین راشدی) اس سے دلچسپی رکھتا تھا کہ بمبئی سے علیحدہ ہونے کے بعد، جو سندھ کا نیا صوبہ بنایا جا رہا ہے اس کے معاشرے کو نئی بنیادوں پر مضبوط بنایا جائے۔ پہلے سے جو لوگ دقیانوسی ادارے تھے اور جن کی وجہ سے سندھی لوگوں میں جہالت پھیلی ہوئی تھی، ان سب کو ایک ہی لمحے میں ختم کیا جائے''۔ اس پالیسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت کی ساری کی ساری طاقت ہماری دشمن بن گئیں اور یہ افواہ پھیلانے لگیں کہ ہماری صحافت کا مقصد صرف توڑنا اور تباہ کرنا ہے۔ حسام الدین ہر وقت دفتر میں ہوتا تھا اور لکھنے پڑھنے میں مصروف رہتا تھا باہر کے لوگوں کے ساتھ میل جول نہیں تھا باہر کا کام میرا ذمہ تھا'' (ڈاکٹر قریشی، ۱۹۸۱ء)۱۶؎۔ بہر حال، ان محاذوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام طاقتیں ان کے خلاف ہو گئیں اور انہوں نے اخبار اور اس کے مدیروں کے خلاف کیس کر دیا۔ یہ مقدمہ لگا تار تین سال یعنی ۱۹۳۷ء تک جاری رہا اور بالآخر عدالت نے مقدمہ خارج کر دیا۔

''ستارہ سندھ'' ابتدائی طور پر ہفتے میں دو مرتبہ شائع ہوا کرتا تھا لیکن بعد میں ۱۹۳۶ء اسے ہفتہ وار کر دیا۔ یہ اخبار بڑے سائز کے ۶ صفحات پر مشتمل تھا اس اخبار کو اس وقت کے مشہور ادیبوں اور شاعروں کا تعاون حاصل تھا جس میں سیاست سمیت تعلیمی تاریخی اور ادبی مواد بھی شائع ہوتا تھا۔ اس اخبار کے شمارے ''بہار نمبر'' اور 'خواتین نمبر' خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ **(راشدی، ۱۹۶۱ء)۱۷؎**

اس اخبار میں راشدی صاحب کے بھی بہت سے مضامین اور مقالات شائع ہوئے تھے جن میں سے کچھ نام درج ذیل ہیں، جو بعد میں ان کی کتاب ''باتیں گاؤں جانے کی'' میں شامل کیا گئیں۔

۱۔میاں محمد عارف صنعت ۔۲۶ اگست ۱۹۳۴ء

۲۔مولانا محمد ہاشم، مولانا عبدلواحس کی تصانیف، ۲۰ ستمبر ۱۹۳۴ء

۳۔تاریخ عرب کے قدیم ماخذ ۲-۹، دسمبر ۱۹۳۴ء

۴۔بیدل کی دل کا مالک ۱۹۳۵ء

۵۔سندھ کا ایک محسن گھرانہ، بہار ۱۹۳۶ء

۳۱ مارچ ۱۹۳۷ء کو راشدی بھائیوں کے والد، سید حامد علی شاہ کی بہمن میں رحلت ہوئی، اس افسوس ناک واقعے کی وجہ سے دونوں بھائی 'ستارہ سندھ' بند کر کے دوبارہ سکھر چھوڑ گاؤں آ گئے، کچھ عرصہ بعد بڑے بھائی پیر علی محمد راشدی گاؤں بہمن چھوڑ کر کراچی چلے گئے، جہاں سیاست میں حصہ لینے لگے۔ جبکہ چھوٹے بھائی راشدی صاحب گاؤں میں ہی خاندانی پیشے زمینداری میں لگ گئے، پیر علی محمد راشدی نے انہیں چھ ماہ میں کراچی بلوالیا۔

قربانی:

یہ اخبار ۱۹۳۲ میں شکار پور سے شائع ہوا اس کے ایڈیٹر راچند ولد بیگراج تھے، ۱۹۴۵ء میں جب جی ایم سید کا مسلم لیگ کی سینئر قیادت سے تنازعہ ہوا، تو سید صاحب یہ اخبار خرید کر کراچی لے آئے سائیں جی ایم سید لکھتے ہیں:

''۱۹۴۵ء کے اختتام پر، جب ہمارے اختلافات مسلم لیگ کی اعلی قیادت سے ہوئے اور اخبار الواحید مختلف پروپیگنڈے کرنے لگا تو ہم شکار پور سے ریلیز ہونے والا 'قربانی' اخبار اور پریس خرید کر کراچی لے آئے۔ اس کے پہلے ایڈیٹر مولوی خیر محمد نظامانی تھے، لیکن کچھ عرصے بعد دیکھا گیا کہ وہ پارٹی کی صحیح ترجمانی نہیں کر رہے تو اخبار کی نظرداری کا ذمہ علی محمد شاہ نے لیا''۔ **(رحیم داد، ۲۰۰۵ء) ۱۸**

'قربانی' اخبار میں دونوں بھائی مل کر کام کرتے تھے راشدی صاحب ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۶ء تک اس اخبار کے ایڈیٹر رہے، اس اخبار میں کئی بار میاں حسام الدین بھی بے نام مضمون اور اداریے لکھتے تھے۔

جب مسلم لیگ نے اپنے خاص وسائل کا استعمال کرتے ہوئے مجھے سندھ اسمبلی کے انتخابات میں شکست دلوائی اس وقت اس کے 'قربانی' میں لکھے گئے ایڈیٹوریل کو ادبی شاہکار لکھا جائے تو درست ہوگا۔ **(شاہ میران، ۱۹۳۶ء) ۱۹** ۱۹۴۷ء میں ایوب کھڑو نے اپنی وزارت اعلی کے دوران اس اخبار کو زبردستی بند کروادیا۔

پیر علی محمد راشدی صاحب کو برصغیر کی نہ صرف سیاست پر عبور تھا بلکہ وہ برصغیر کی ثقافت، تاریخ وتمدن اور عالمی حالات کے تغیر سے برصغیر پر پڑنے والے اثرات سے بھی واقف تھے۔ اسی وجہ سے برصغیر کی تقسیم کے بعد وہ نہ صرف پاکستان کی سیاست وصحافت پر مکمل گرفت رکھتے تھے بلکہ وہ اپنے کالموں میں ان کمیوں اور کوتاہیوں کو بھی بیان کیا کرتے تھے جو سیاست کے میدان میں ہوا کرتی تھیں۔

مواد کا تجزیہ:

درحقیقت پیر علی محمد راشدی صاحب نے جنگ اخبار میں کالم نگاری تین مختلف ناموں کی ہے:

۱۔مکتوب مشرقِ بعید

۲۔وغیرہ وغیرہ

۳۔مشرق مغرب

مقالہ جات کے سن اور تاریخ کے لحاظ سے تجزیہ کیا گیا ہے جس کے مطابق تینوں ناموں کے مقالوں کو بطور مواد حاصل کیا گیا ہے۔

مکتوب مشرق بعید:

ماہ مئی کے دوران ہونے والے مشرق بعید میں رونما ہونے والے دو واقعات کے حوالے سے فلپائنی صدر کا ذکر کرتے ہوئے راشدی صاحب فرماتے ہیں کہ'' مشرق بعید میں دو غیر معمولی واقعات رونما ہو چکے ہیں ان پر غور کرنے سے جمہوریت اور آمریت کے مابین افادیت یا نتائج کے اعتبار سے جو فرق ہے وہ آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے''۔(**مکتوب مشرق بعید ۶ جون، روزنامہ جنگ ۱۹۶۴ء)۲۰** سیاسیات اور کانسٹی ٹیوشنل تھیوری کے طالب علموں کے حوالے سے انہوں نے اپنے مضامین کو بڑی خوبصورتی سے ان کی تربیت کو اجاگر کیا, وہ کہتے ہیں کہ ''پولیٹیکل سائنس یا کانسٹی ٹیوشنل تھیوری اور پریکٹس کے طالب علم کو اگر یہ معلوم کرنا ہو کہ دستور سازی کے میدان میں حضرتِ انسان نے کیا کیا جوہر دکھائے ہیں یا یہ دیکھنا کہ کسی خاص آئین یا نظامِ حکومت کے ماتحت ملکی کاروبار کس طرح چلتا ہے تو اس طالب علم کو مشرقِ بعید کی سیر کرنی چاہیئے۔اس کام کے لئے دنیا کا یہ حصہ ایک تجربا گاہ بن چکا ہے۔ ہر قسم کے آئینی اور حکومتی نظام یہاں مروج ہیں''۔(**مکتوب مشرق بعید،۱۳ جون روزنامہ جنگ ۱۹۶۴ء)۲۱**

اسی مضمون میں ایک اور جگہ وہ مشرقِ بعید کی تاریخ کے پہلو اجاگر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ'' خدا کرے کم چنگ پل کے اخراج سے کوریا کا معاملہ ٹھنڈا پڑ جائے اور طالب علم خود صدر کے مستعفی ہونے پر زور نہ دیں، مگر یاد رہے کہ جھگڑے کی ابتداء غلط پبلسٹی سے ہوئی تھی''۔(**مکتوب مشرق بعید،۱۳ جون روزنامہ جنگ ۱۹۶۴ء)۲۱**

پے در پے تبدیلیوں اور ان کے اثرات پر انہوں نے مکتوب مشرق بعید میں اہم ترین معاملات کو اجاگر کیا جس میں طنز و مزاح کی بھرپور چاشنی بھی شامل رہی،'' یک نہ شد دو شد اب گولڈ واٹر امریکی صدر بھی تشریف لے آئے ہیں، روس میں اضطراب ہے، مغرب بعید میں حشر برپا ہے، لندن ٹائمز تک چلا اٹھا ہے، تنہا مشرقِ بعید والے مطمئن ہیں۔''

(**مکتوب مشرق بعید، یکم اگست روزنامہ جنگ ۱۹۶۴ء)۲۲**

''آنے والی لڑائی اس قسم کی نہیں ہوگی جس قسم کی دو لڑائیاں دنیا پہلے دیکھ چکی ہے۔ پہلے لڑائی کے موقع پر بزرگ پلنگ پر بیٹھے ہوئے جنگ پر طبع آزمائی فرماتے رہتے تھے، دوسری جنگ عظیم کے دوران اس خاکسار کو محض اپنی موٹر

کے پیٹرول کونوں کی فکر دامن گیر رہی مگر اب کوئی جنگ چھڑ گئی تو سارے پچھلے قرضے بمعہ سود ادا کرنے پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

راشدی صاحب نے اپنے مقالوں میں دنیا بھر کی تہذیب و رواج کو بھی اجاگر کیا، ''ہانگ کانگ میں سردی شروع ہے، ایم مقامی چینی نے اخبار میں لکھا ہے کہ مقامی شوقینیوں کے لئے کتے کا گوشت استعمال کرنے کا موسم آ گیا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ کتے اتنے دنوں سے گوشت کھا کھا کر موٹے ہوگئے تھے اب ان کو بھی حساب دینا پڑے گا'' (**مکتوب مشرق بعید، ۱۹ دسمبر، روزنامہ جنگ ۱۹۶۴ء**) ۲۳

ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ ''ایک سابق وزیر ہندوستان کا واقعہ لکھتے ہیں کہ پاکستان بننے کے کے بعد ایک دن یہ صاحب اپنے کچھ ہندوؤں کا بمبئی روانہ کرنے کی غرض سے جہاز کے ٹکٹ خرید کر راستہ میں ایک دوست کے ہاں آئے، میں بھی وہاں موجود تھا انہوں نے ٹکٹ دکھائے تو میں نے مذاقاً کہا کہ کاش یہ ٹکٹ تم نے اپنے لئے خریدے ہوتے مگر ہٹلر میں یہ عقل آئی کہاں؟ یہ الفاظ سنتے ہی وہ اسی وقت روانہ ہو گئے۔'' (**مکتوب مشرق بعید، ۱۹ دسمبر، روزنامہ جنگ ۱۹۶۴ء**) ۲۳

مشرق و مغرب:

ان کی تحریر میں ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ سوالوں سوالوں میں اپنا پورا موقف بیان کر دیا کرتے تھے، جیسے'' مشرقی پاکستان میں کیا ہو رہا ہے؟ وہاں کے تازہ ترین سیاسی رجحانات کس قسم کے ہیں؟ مجیب الرحمٰن صاحب کے سات نکاتی سیاسی منشور کو کس قدر حمایت حاصل ہے؟ کیا یہ واقعہ ہے کہ یہ منشور مشرقی پاکستان کے عوام کے حقیقی جذبات کی نشاندہی کر رہا ہے؟ زبان کا مسئلہ کس منزل پر ہے، اردو کس حال میں ہے؟ ڈھاکہ یونی ورسٹی کیوں بند ہے؟ مقامی لیڈر صاحبان کیا سوچ رہے ہیں؟'' (**مشرق مغرب، ۱۹ اپریل، روزنامہ جنگ ۱۹۶۶ء**) ۲۴

مشرقی پاکستانی پر وہ اپنے سماجی حلقوں کے حوالے سے بھی سیاسی موضوعات کو اپنی تحریروں کا حصہ بناتے تھے۔ ''مشرقی پاکستان کے مسائل پر بحث کے دوران پچھلے ہفتے کی صحبت میں میں نے اپنی طرف سے یہ خیالات عرض کئے تھے،

ا۔ مشرقی پاکستان کو اقتصادی خیالات کے بارے میں جس قدر شکائتیں ہیں وہ اس زمانے کی پیداوار ہیں جب مشرقی پاکستان کے اپنے نمائندوں کو پاکستان کے مرکز میں اقتدار اعلیٰ حاصل تھا۔

۲۔ مجیب الرحمٰن کا منشور اس کی ظاہری اور لفظی ترکیب سے قطع نظر فی الحقیقت مشرقی پاکستان کے ان لوگوں کے خیالات کی غمازی کر رہا ہے جن کو اس وقت دو فکریں لگی ہوئی تھی (۱) مشرقی پاکستان کا دفاع (۲) پارلیمانی نظام حکومت کی بحالی۔ ضمناً اب ان کی خواہش ہے کہ ایمرجنسی ختم ہونی چاہیئے۔ (**مشرق مغرب، ۱۶ اپریل، روزنامہ جنگ ۱۹۶۶ء**) ۲۵

ان الفاظوں کو بہتر طور پر سمجھنے کے لیئے اس مضمون کی مکمل قسطوں کا مفصل مطالعہ کرنا چاہیئے جن میں شاید پاکستان کا لفظ ہٹا کر بنگلہ دیش بن گئے، کیا یہی حالات ہمارے پاکستان کے بعض علاقوں میں تو نہیں۔

عالمی سیاست میں ان کی بے انتہا وسعت تھی جس کو انہوں نے اپنی تحریروں میں بیان کیا۔اپنے مضامین میں انہوں نے مشرق ومغرب میں مسلمانوں کی کمزوریوں اوران کی کوتاہیوں کو واضح کیا اوراس بات کواجاگر کرنے کی کوشش کی کہ اصل مسئلہ قیادت کی کمی کا ہے نہ کہ وسائل کی۔

''یادرہے کہ دنیا کوآج انسانوں کی ضرورت ہے اور انسان بغیر علم انسان نہیں رہتے۔، ایران خوش قسمت ہے کہ اس کوایسا حقیقت شناس قائد ملا ہے۔مشرق پھولا نہیں سماتا کہ اس کے یہاں ایک ایچ چین کنگ میدان عمل میں آرہا ہے؟؟؟بس

بریں مژدہ گر جان فشانم رواست!

(مشرق مغرب،۳۰ستمبر،روزنامہ جنگ ۱۹۶۶ء)۲۶

محمد علی راشدی صاحب ملک میں امن وامان کی صورتحال کو مدنظر رکھ کر حکومت، سیاستدانوں اور عوام کو اس بات کی طرف اشارہ کرتے کہ کس طرح حالات کو قابو میں لایا جاسکتا ہے۔

''مشرق ومغرب میں اس وقت جو کچھ ہورہا ہے اور بہت کچھ اس سے بعد بھی ہوگا اس پر لکھا بھی گیا ہے مگر اس محبت میں مناسب ہے کہ گھر کی باتیں کریں۔اوّل خوش درویش عام کہاوت ہے کہ انسانوں کوسوکوس سے بھی اپنا گھر صاف نظرآتا ہے، باقی دنیا کتنی خوبصورت کیوں نہ ہومگر گھر پھر بھی گھر ہوتا ہے۔زیادہ سے زیادہ حکومت یہ کرسکتی ہے کہ بڑے چھرّ وں کے کارتوس پر پابندی عائد کردے اور بغیر پرمٹ کے کسی کو SG (شارٹ گن) اور LE کے کارتوس دکانوں پر نہ مل سکیں یہ پہلے بھی ایسے موقعوں پر ہوتا رہا ہے، اوراب بھی ہوسکتا ہے۔'' (ہمدرد لائبریری)، **(مشرق و مغرب، یکم اکتوبر، روزنامہ جنگ ۱۹۶۶ء)۲۷**

امن وامان کی صورتحال کے علاوہ انکے مضامین میں پاکستانی عوام کی عالمی سطح پر سیاسی اور سماجی مناسبت بھی کرتے رہے ہیں، ترکی کے عالمی دن پر انکا ایک مضمون اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ پاکستانی عوام کی ساخت کو بحال کرنے کی تگ ودو میں راشدی صاحب کتنے سنجیدہ تھے۔

''لاءاینڈ آرڈر یعنی جان اور مال کی سلامتی کا مسئلہ اس وقت تک مکمل طور پر حل نہیں ہوسکتا جب تک حکومت کے ساتھ ساتھ ملکی عوام میں بھی اسکے بارے میں صحیح شعور اور احساس پیدا نہیں ہوتا۔یہ وہ تالی ہے جو ایک ہاتھ سے نہیں بجائی جاسکتی۔'' جب ترکی قبرص میں سنگین آزمائش سے دو چار تھا پاکستان نے ہمیشہ واضح طور پر ترکی کی حمایت کی مثلاً: ۱۹۵۴ء میں جب قبرص کا مسئلہ اقوامِ متحدہ میں زیرِ بحث تھا اس وقت پاکستان مندوب نے اس جزیرے کے متعلق ترکی کے قانون اور تاریخی دعویٰ کی حمایت کی۔''

((مشرق و مغرب،۱۸ اکتوبر،روزنامہ جنگ ۱۹۶۶ء)۲۸

وقت اور حالات کی مناسبت سے راشدی صاحب نے اپنے مضامین میں حکومتی اقدامات کی سخت مخالفت کی اور قانونی طریقے کار پر عمل کرنے اور انسانیت سوز احکامات کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں اور صحیح طریقے کار کو رائج کرنے کی صلح دی۔

''گورنر مغربی پاکستان کے حکم پر جرائم پیشہ لوگوں، چوروں، ڈاکوؤں، کے خلاف چلائی ہوئی مہم بے حد ضروری اور وقت کے تقاضوں کے عین مطابق انتقامی اقدام ہے۔'''' غنڈوں کا مسئلہ مکمل طور پر اس طرح حل ہوسکتا ہے اگر یہ طریقہ اختیار کیا جائے۔

۱۔غنڈہ گردی نا قابلِ ضمانت جرم ہو یعنی PreventiveAction کی جگہ SubstantiveOffice کا درجہ دیا جائے۔

۲۔سزایابی کے بعد مشرقی پاکستان کے کسی جیل میں رکھا جائے، صوبہ بدری کا نفسیاتی اثر بہت گہرا ہوسکتا ہے۔

۳۔ان کے مقدمے سرسری طور پر چل کر فیصلے ہوں اور فیصلوں میں تاخیر نا ہو۔

۴۔سزایافتہ غنڈوں سے کھیتی باڑی کا کام لیا جائے۔

۵۔سزا کی معیاد ختم کرنے کے بعد بھی چند سال تک ان کو ضمانت کے تحت رکھا جائے۔

۶۔ان کے پاس ایک شناختی کارڈ ہے جس کی بنیاد پر وہ چل سکیں اور جس تھانہ کی حدود میں جائیں وہاں شناختی کارڈ دکھا کر اس پر دستخط کروالیں، بغیر شناختی کارڈ انکا چلنا پھرنا دشوار بنا دینا چاہیئے۔ یہ سسٹم انڈونیشیا اور چند ایک مما لک میں رائج ہے جس کی وجہ سے وہاں جرائم میں کافی کمی آئی ہے۔

۷۔سزایافتہ غنڈوں کے مؤثر اور ان کی فہرستیں صوبہ کے ہر تھانہ میں موجود رہیں۔

(مشرق و مغرب،۲۵ مئی،روزنامہ جنگ ۱۹۶۸ء)۲۹

علی محمد راشدی کی طبعیت کچھ اس طرح تھی جو مشاہدہ کیا کرتے تھے اس کو خود تک محدود نہیں کیا کرتے تھے بلکہ اس کو آگے عوام الناس تک پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔آج کل کے صحافی اور اینکر حضرات حکومت کی ہر پالیسی کے مخالف ہوتے نظر آتے ہیں کیونکہ ان کا مفاد حکومت سے ٹکراؤ اور اس کی پالیسیوں سے مخالفت کی صورت میں ہے۔

''لاء اینڈ آرڈر کے مضمون پر پچھلے ہفتہ چند معروضات پیش کر چکے ہیں، آج ہم چند باتیں عرض کر رہے ہیں ، اس وقت دو مسائل فوری طور پر طالب توجہ ہیں۔(۱) شہروں پر چوروں اور ڈاکوؤں کی یورش (۲) اندرون صوبہ شاہراہوں پر راہزنی کے واقعات (آئے دن لٹیرے ٹولیاں بنا کر لوٹ مار شروع کر دیتے ہیں'' ''فرض کیجئے کہ پوزیشن یہ ہو کہ ہمارے صوبہ مغربی پاکستان میں لاکھوں کی تعداد میں لوگوں نے لائسنس پر رائفلیں لے لی ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں ایسی رائفلیں ہیں جو بغیر لائسنس کی ہیں تو پھر حکومت کو کوئی طریقہ نکالنا ہوگا جس سے ان لاکھوں خطرناک اسلحہ کے استعمال پر کنٹرول رکھا جاسکے۔ یہ معمولی بات نہیں ہے کہ اتنے لاکھ رائفل غیر فوجی آدمیوں کے پاس رہیں۔(مشرق و

مغرب، یکم جون، روزنامہ جنگ ۱۹۶۸ء)۳۰

راشدی صاحب نے ۱۹۳۸ء سے پہلے کے واقعات کو بھی بہ خوبی قلمبند کیا اور اس خوبصورتی سے اس کی تشریح کی کہ گویا منظر آنکھوں کے سامنے رونما ہو رہے ہوں۔ انہوں نے خاص طور پر یہ مضامین علم تاریخ و سیاسیات کے طالب علموں کے لئے لکھے جو کہ یہ ابھی بھی نہیں جان سکے ہیں کہ تحریکِ پاکستان سے پہلے سندھ کا برصغیر کی سیاست میں کیا حصّہ تھا اور برِصغیر میں پاکستان بننے کے لئے جگہ بھی سندھ خصوصاً کراچی کے نوجوانوں نے دی۔

'' یہ واقعات ۱۹۳۸ء سے پہلے کے ہیں ۱۹۳۸ء سے کراچی میں مسلم لیگ کا پاکستانی دور شروع ہوا اس دور میں بہت سے لوگوں نے بہت کام کیا مگر اس کی تفصیل کے لئے کسی اور فرصت کا انتظار کرنا پڑے گا۔ آج صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ کراچی بھی مجاہدوں کا مسکن رہا ہے، یہاں بھی حریت کے کچھ مست است بستے تھے، یہاں بھی سیاسی چہل پہل رہتی تھی۔''

(مشرق و مغرب، ۱۷ اگست، روزنامہ جنگ ۱۹۶۸ء)۳۱

محدودات:

اس مضمون میں میری کوشش رہی ہے کہ پیر محمد راشدی صاحب کے ان مضامین میں سے چیدہ چیدہ کا تعارف لکھا جائے، جو جنگ کے پرانے ذخیرے سے ملے۔ اس سلسلے میں ہمدرد یونی ورسٹی کی لائبریری میں بہت پرانا ذخیرہ ہے جس میں جس قدر ملا اس کا یہاں تعارف لکھا جا رہا ہے۔ اگر کوئی محقق ان مقالہ جات پر کام کرنا چاہتا ہے تو، مجھ سے رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

ماحصل:

کسی بھی لکھنے والے کے لئے سب سے اہم بات یہ ہوتی ہے کہ اس کی تحاریر اس کے چلے جانے کے بعد بھی علم کی شمع روشن کئے رکھیں اور اس سے کوئی نہ کوئی فائدہ لیتا رہے۔ پیر علی محمد راشدی صاحب کی تحاریر تاریخ جاننے والوں کے لئے علم کا ایک خزانہ ہیں خاص طور پر ان لوگوں کے لئے جو سندھ کی تاریخ جاننے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ پیر علی محمد راشدی صاحب کی تحاریر جن میں چاہے کتب ہوں یا مقالے، مضامین ہوں یا اخباری سلسلے، ہر تحریر اپنے قاری کو کچھ نہ کچھ علم دے کر جاتی ہے اور یہی بات ان کی شخصیت کا بھی ایک پہلو نظر آتی ہے کہ انہوں نے اپنے علم اور مشاہدے کو خود تک محدود کرنے کے بجائے لوگوں تک پھیلایا۔ پیر صاحب کا اپنے مضامین میں بے لاگ کیا گیا تبصرہ ان کی تحریر کو نمایاں حیثیت دیتا ہے۔ ایسی کتب، ایسی تحاریر بے شک ہماری آنے والی نسلوں کے لئے تاریخ میں جھانکنے والے دروازوں کا کام کرتی ہیں بلکہ انہیں یہ بھی شعور دیتی ہیں کہ سخت سے سخت بات کو آسان الفاظ میں کیسے دوسرے تک پہنچایا جا سکتا ہے۔

حوالہ جات:

ا۔راشدی علی محمد، پیر حسام الدین، مرحوم حسام الدین، کیپن بڈیومہران

راشدی نمبر 1986

۲۔ڈاکٹر عزیزالرحمان، سکیوسندھی صحافت جوارتقاء تاریخ جایواول،

انسٹیٹیوٹ آف سندھالاجی1988ع،ص۔5

۳۔پیر علی محمد راشدی، حسام الدین مرحوم، (حیئین بئیو!)مضمون

۴۔ساگیو،ص۔10

۵۔ساگیو،ص۔8

۶۔ جی ایم سید، جنب گذاریم جن سین، جلد2، ص340

۷۔ڈاکٹرانور فگار، شکارپور جی صحافتی تاریخ۔ص69، 137

۸۔شکارپور جی صحافتی تاریخ،ص۔77

۹۔ساگیو

۱۰۔ساگیو،ص۔14

۱۱۔ساگیو،ص۔15

۱۲۔ڈاکٹر قریشی حامد علی، سندھی زبان جا ادبی ماہوار رسالہ،8855ع کان8935 تائیں(1981۔1ع،ص۔178)

۱۳۔راشدی شاہد علی محمد پیر سکھر جا اخبار نویس ساھی مھرا ادبی پور، جام شورو1961ع،ص66

۱۴۔تاریخ سکھت رحیم داد خان مولائی، شیدائی سندھی ادبی بور، جام شورو،2005ع،ص239

۱۵۔مکتوب مشرقِ بعید، 6جون،۱۹۶۴، جنگ اخبار کراچی

۱۶۔مشرق ومغرب3 ستمبر1966

۱۷۔ مکتوب مشرق بعید یکم اگست1964

۱۸۔ مکتوب مشرق بعید19 جون1964

۱۹۔مشرق ومغرب9اپریل1966

۲۰۔ مشرق ومغرب16 اپریل1966

۲۱۔مکتوب مشرق بعید،۱۳جون روزنامہ جنگ۱۹۶۴ء

۲۲۔ مشرق ومغرب یکم اکتوبر1966

۲۳۔مشرق ومغرب، پاکستان اور ترکی،8اکتوبر1966

۲۴۔ مشرق ومغرب28 مئی1968

۲۵۔ مشرق ومغرب یکم جون1968

۲۶۔مشرق ومغرب17 اگست1968

۲۷۔مشرق ومغرب21اگست1968

۲۸۔شاہ، میران محمد، سید، سندھ جی علیحدگی جی تاریخ، سندآزادنمبر1936ع، ص135